حیات اجتماعیہ

(از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز)

اسلام کے سوا جتنے مذاہب عالم ہیں انہیں اگر آپ غور سے دیکھینگے تو ایک چیز ان سب میں بطور ایک قدرِ مشترک کے نظر آئیگی - ان میں عام طبقہ "دنیاداروں" کا ہوگا، اور ان میں کا جو شخص "مذہبی" یا "دیندار" ہوگا وہ دنیاداروں کے طبقہ سے الگ ہوتا جائیگا، یعنی دنیادار اور "دیندار" دو الگ الگ جماعتیں ہونگی - دنیادار ہر چند ان دینداروں کی ضروریاتِ زندگی کے کفیل ہونگے، لیکن ان دینداروں کا دنیا سے کچھ واسطہ نہ ہوگا - ان میں سے ہر شخص اپنی انفرادی زندگی بسر کریگا - اس کا منتہائے نگاہ یہ ہوگا کہ کسی طرح اس کی اپنی مُکتی (نجات) ہو جائے - اور چونکہ دنیا میں دینداروں کا طبقہ ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس لیے کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ حضرات اس منزل سے بہت قریب ہیں جو تخلیقِ انسانی کا مقصد ہے، لہذا ان مذاہب کے نزدیک انسانی زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ وہ انفرادیت کی زندگی بسر کرے - تمدن و حضارت کی زندگی بسر کرنا دنیاداروں کا کام ہے جو شرفِ انسانیت کی منزل سے دور ہوتے ہیں - اسلام نے سب سے پہلے اس نظریہ کی تردید کی اور دنیائے مذاہب میں یہ اعلان اُسی کی طرف سے ہوا کہ انفرادیت کی زندگی بسر کرنا قطعاً فطرتِ انسانی کا مقتضیٰ نہیں، فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ اجتماعیت کی زندگی بسر کی جائے، لہذا مذہب، جو انسان کو اسکے مقصدِ تخلیق سے قریب لانیکا ذریعہ ہے وہی فطرت کے مطابق ہوسکتا ہے جو انسان کو اجتماعیت کی زندگی بسر کرنا سکھائے، جس میں

"دنیاداروں" اور "دینداروں" کے الگ الگ گروہ نہ ہوں۔

دنیا اس حقیقتِ عظمیٰ کو بہت کم سمجھ سکی ہے اس لیے کہ دنیا، باین ہمہ ادعائے علم وبصیرت ابھی تک یہی متعین نہیں کر سکی کہ انسانی فطرت ہے کیا۔ اس باب میں دنیا نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ ہر دور کے انسانوں کی مجموعی حالت کی اوسط (Average.) لیکر اسے فطرتِ انسانی کہہ دیا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ فرد ہو یا افراد کا مجموعہ، اس پر ماحول، قومی روایات، بچپن کے نقوش، وراثتی رجحانات کا اسقدر اثر ہوتا ہے کہ فطرتِ اصلیہ انکے نیچے دب جاتی ہے اور جسے فریبِ نظر سے فطرت کہا جاتا ہے وہ دراصل انہی خارجی اثرات کے مجموعی نتیجہ کا نام ہے یورپ آج علم وعقل کی انتہائی بلندیوں پر سمجھا جاتا ہے، لیکن اس نے بھی جہاں عالمِ آفاق کے متعلق اسقدر تحقیق وتفتیش کی ہے، وہاں عالمِ انفس کے متعلق جس جہالت اور بے بصری کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے ہاں کے علمار نفسیات آجتک یہی متعین نہ کر سکے کہ خارجی اثرات کیا ہیں اور صحیح فطرتِ انسانی کیا ہے۔ البتہ اب وہاں ایک ایسی جماعت پیدا ہو رہی ہے جس نے علمِ تجزیۂ نفس (Psycho-analysis.) کے ذریعہ سے ان خارجی اثرات اور فطرتِ اصلیہ میں کچھ تمیز کرنا.. شروع کیا ہے۔ ان کی تحقیق ابھی عالمِ طفولیت میں ہے، اس لیے اس کے نتائج بھی ہنوز دھندلے سے ہیں۔ لیکن جہاں بھی یہ ذرا کامیاب ہوئے ہیں وہاں انکے ذہنی دھندلکے میں حقیقت کی روشنی نظر آجاتی ہے۔

ان علمار میں ایک صاحب ڈاکٹر بیرن ولف (Beran Wolfe.) ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک مختصر سی کتاب لکھی ہے جسکا عنوان ہے کہ "ہم باوجود انسان ہونے کے کس طرح خوشی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں" (How To Be Happy Though Human) اس میں اس ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ حقیقی اطمینان ومسرت کی زندگی اسی صورت میں بسر کی جا سکتی ہے کہ

انسان کی زندگی اسکی فطرت کے مطابق ہو۔ اس باب میں اس نے اپنے، اور اپنے ہم عصر دیگر ائمۂ فن کے تجزیۂ نفسی کے تجربات و مشاہدات کی بنا پر بتایا ہے کہ فطرت کے مطابق زندگی کونسی ہے ایک شخص جب اس کتاب کو، یا اسی فن کے دوسرے ائمہ کی کتابوں کو پڑھتا ہے تو اگر اُسے.. قرآنِ کریم سے کچھ: اقفیت ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ یہ لوگ اتنی کدو کاوش کرنے کے بجائے قرآنِ کریم ہی کو کیوں نہیں پڑھ لیتے۔ اس لیے کہ یہ حضرات اپنی عمر بھر کی جانکاہی و جگر کاوی کے بعد اگر کسی ایسے نتیجہ تک پہنچتے ہیں جو یقینیات کی حد میں داخل کیا جا سکے تو وہ وہی ہوتا ہے جو قرآن کریم میں چودہ سو برس پیشتر سے موجود ہے۔

ڈاکٹر ولف نے اپنی مذکورۂ صدر کتاب میں انفرادیت اور اجتماعیت کی زندگی کے متعلق بھی جدید تحقیقات کے نتائج کو بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ فطرتِ انسانی کے مطابق کونسی زندگی ہے۔ اس امر کے ذکر سے میرا یہ مطلب نہیں کہ قرآنِ کریم کی صداقت کی یہ دلیل ہے کہ یہ حضرات بھی اسکے مسلمات کی تائید کرتے ہیں قرآن کریم کے حقائق تو قوانین فطرت کی طرح اٹل اور غیر متبدل ہیں حقیقت حقیقت ہے، خواہ دنیا میں اسکی تائید کرنیوالا کوئی بھی باقی نہ رہے اگر ساری دنیا اپنی آنکھیں بند کرے تو بھی سورج کی روشنی میں ذرہ بھر فرق نہیں آسکتا کہ سورج اپنی روشنی اور تمازت میں دوسروں کی بینائی کا محتاج نہیں۔ مقصد اس سے یہ بیان کرنا ہے کہ دنیا ظن اور قیاس کی ٹھوکریں کھانیکے بعد جب کبھی کسی حقیقت تک پہنچیگی تو وہ حقیقت وہی ہوگی جو قرآن کریم کے اندر مذکور ہے۔ صحیح فطرتِ انسانی وہی نکلیگی جو حقائق قرآنی کے مطابق ہوگی

ڈاکٹر ولف لکھتا ہے کہ تمام مخلوقات میں ایک انسان ہی ایسا ہے جسے قدرت نے بالکل نہتا پیدا کیا ہے، لیکن اس کمزوری کا بدل اسے یہ دیا ہے کہ وہ مدنی الطبع بنا دیا گیا ہے، اور اسکی فطرت میں اس امر کو ودیعت کر کے رکھدیا گیا ہے کہ وہ انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کی زندگی بسر کرے۔ لہذا ہر وہ نظریۂ زندگی جو انسان کو انفرادیت کی طرف مائل کرتا ہے اور اجتماعیت

سے قطع علائق کی ترغیب دیتا ہے یکسر غیر فطری جذبہ پر مبنی ہے۔ وہ مسائل حیات جن سے انسان کو سابقہ پڑتا ہے بالعموم تین شقوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے معاملات، تقسیم عمل کے معاملات اور صنفی تعلقات (Sexual relations) کے معاملات۔ چونکہ حیات ایک مربوط شے ہے اس لیے تمام نوع انسانی، باوجود الگ الگ افراد ہونیکے، در اصل ایکدوسرے کیساتھ پیوست ہے۔ اس لیے ہر شخص کو اس معاملہ میں آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ ان مسائل حیات کا حل کسطرح تجویز کرتا ہے۔ یہ اسکی زندگی کا کوئی ذاتی (پرائیوٹ) معاملہ نہیں، بلکہ سوسائٹی کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ جہاں کوئی شخص ان مسائل میں سے کسی مسئلہ کا غلط حل تجویز کرتا ہے۔ یا کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے، تو ہر چند بظاہر یہ اسکی اپنی ذات کا معاملہ سمجھا جاتا ہے، لیکن چونکہ درحقیقت اسکی اپنی ذات دیگر نوع انسانی سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس لیے اسکا یہ اقدام تمام نوع انسانی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر ہم ان معاملات میں نوع انسانی سے تعاون و معاونت ترک کر دیں، اور یہ سمجھ کر کہ یہ معاملات میرے اپنے ذاتی معاملات ہیں، انسانیت کی مشترکہ ذمہ داریوں سے اعراض برتیں، تو ہم فطرت کے اٹل قانون کی رو سے یقیناً ان فوائد سے محروم رکھے جائینگے جن سے بہ حیثیت انسان ہونیکے ہمیں متمتع ہونا تھا۔ جو لوگ اس قسم کی پہلوتہی کی روش اختیار کرتے ہیں وہ عقلِ حیلہ جو کے نظر فریب دلائل سے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی ہزار کوشش کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی۔ انکی یہ روش حقائق سے چشم پوشی اور اُن سے دوچار ہونیکے خوف پر دلالت کرتی ہے۔

اس تجزیہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جتنا کوئی شخص اپنی متاعِ ہنر سے ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ اطمینان و مسرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کامیاب زندگی بسر

کرنیکے لیے اپنی خودی کے استحکام اور اسکے ذریعہ سے ہیئت اجتماعیہ کی نفع رسانی کا نصب العین سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور یہ نصب العین سامنے نہیں رکھا جا سکتا جب تک انسان کے دل میں ایک ایقانی جذبہ کے ماتحت ولولہ اور جوش، اور اس کے دماغ میں علم و بصیرت نہ ہو۔ یاد رکھو کہ فطرت کے اٹل قوانین کے سامنے آصلح ثابت ہونے کیلیے اجتماعی زندگی کا نصب العین ہی اولین و آخری ذریعہ ہے۔ وہ تہذیب جو انفرادیت کی زندگی سکھائے، انسانیت کیلیے بمنزلہ طاعون ہے ایسا طاعون کہ جسکے سامنے دنیا کی ہر مہلک سے مہلک وبا ہیچ ہو۔

دوسری چیز کے متعلق یہ یاد رکھو کہ حیاتِ اجتماعیہ ہر فرد کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ لیکن وہ فرد سے اس کا مطالبہ بھی کرتی ہے کہ وہ اس حیات اجتماعیہ کی کفالت کیلیے اپنی قوت عمل کو بروئے کار لائے۔ لہذا یہ کسی آدمی کا ذاتی معاملہ نہیں ہے کہ وہ سوسائٹی کیلیے کچھ کام کرتا ہے یا نہیں۔ بلکہ ہر انسان پر اس ہیئتِ اجتماعیہ کا ایک جزو ہونیکی حیثیت سے لازمی ہے کہ وہ ایک عملی زندگی بسر کرے۔ ایک فرد اپنے لیے مناسب و موزوں کام کا انتخاب تو کر سکتا ہے۔ اس میں وہ مختار ہے۔ لیکن اسے کبھی اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اس جماعت میں ایک عضو معطل کی حیثیت اختیار کرے۔

تیسری چیز جنسی تعلقات کی ذمہ داریاں ہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ یہ تعلق ایک فرد یا ایک جوڑے کا ذاتی معاملہ ہے جس میں سوسائٹی کے قوانین کو دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ہیئتِ اجتماعیہ کا ایک اہم معاملہ ہے، اس لیے اس مسئلہ کا حل بھی ان قوانین کی رو سے ہونا چاہیے جو ہیئتِ اجتماعیہ کے متعلق متعین کیے گئے ہوں۔ اس باب میں اتنا یاد رکھیے کہ جسقدر کوئی نوع ارتقائی منازل میں آگے بڑھ چکی ہوگی اسی قدر اس نوع کے نر و مادہ کے درمیان ہیئتِ کذائی اور شکل و صورت میں فرق نمایاں ہوتا جائیگا۔ اور جتنا یہ فرق نمایاں ہوگا اتنا ہی اُن

دونوں کی تقسیمِ کار میں بھی فرق ہوتا جائیگا - انسان اس باب میں موجودہ سلسلۂ ارتقار کی آخری کڑی ہے - اس لیے اسکے نر و مادہ میں فرق محسوس طور پر نظر آتا ہے - لہذا ان کی ذمہ داریوں کے میدان بھی اسی لحاظ سے مختلف ہونے چاہییں - ان ذمہ داریوں کا تعیّن بھی ہر شخص کی اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا جاسکتا، بلکہ مطمئن زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا حل بھی ہیئتِ اجتماعیہ کے قوانین کی روشنی میں تلاش کیا جائے - اور جب تک ایسا نہیں کیا جائیگا نوعِ انسانی کبھی سکون کی زندگی بسر نہیں کرسکیگی - یاد رکھیے کہ تجرد کی زندگی بسر کرنے والا ہیئتِ اجتماعیہ کی ذمہ داریوں سے جی چراتا ہے - اس لیے نوعِ انسانی کی مشترکہ حفاظت اور مسرت سے بہرہ یاب ہونیکا اسے کوئی حق حاصل نہیں - تجرد، جو نظریۂ انفرادیت کا ہی ایک مظاہرہ ہے، یکسر غیر فطری زندگی کا نام ہے جس سے سوسائیٹی اور تہذیب کا وجود فنا ہوجاتا ہے - انفرادیت کی زندگی تو صرف نیند کی حالت میں ہوسکتی ہے - جاگنے والوں کے لیے یہ زندگی زہرِ قاتل ہے -

---

یہ ہیں ایک مغربی ڈاکٹر، ماہرِ نفسیات کے خیالات - انکو دیکھیے اور پھر قرآنِ کریم کی تعلیم پر غور فرمائیے، اور سوچیے کہ دنیا علم و عقل کی جن بلندیوں تک جا سے اڑ کر چلی جائے، قرآنِ کریم کسطرح وہاں سے بھی دس قدم آگے ہی آگے نظر آتا ہے - دنیا جوں جوں علمی اکتشافات میں آگے بڑھتی جاتی ہے، مذاہبِ عالم گھبراتے جاتے ہیں کہ اسکا لازمی نتیجہ مذہب سے تنفر اور بیگانگی ہوگا - لیکن اسلام اتنا ہی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ دنیا خود بخود میرے قریب آتی جارہی ہے - اس لیے کہ اسلام کے خدائے سمیع و بصیر کا یہ ارشاد ہے کہ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ "ہم ان کو اس کائنات میں اور خود ان کی اپنی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائینگے تاکہ ان پر یہ بات کھل جائے کہ یہی قرآن حق ہے"۔